© rasailojaraid.com

حضرت مجددؒ کا سیاسی ماحول

پروفیسر عبدالقدیر سلیم

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، جو بعد میں مجددؒ الف ثانی کے نام سے مشہور ہوئے، بلاشبہ برعظیم میں سترھویں صدی عیسوی کی عظیم ترین فکری شخصیت تھے۱۔ میں نے ان کے لیے "فکری شخصیت" کی اصطلاح استعمال کی ہے حالانکہ عموماً انھیں ایک صوفی اور مذہبی پیشوا کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ اگرچہ تذکرہ نگاروں نے جہاں ان کی مذہبی خدمات کا ذکر کیا ہے، وہاں حیات و کائنات اور مذہب و مابعد الطبیعیات کے مشترکہ مسائل پر ان کے نقطۂ نظر کی بحث بھی ضرور آئی ہے، تاہم اس پہلو کو وہ اہمیت نہیں دی گئی، جس کا وہ متقاضی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہ استثنائے چند، مسلم فکر و فلسفہ کی تاریخوں میں ان کا نام نہیں ملتا۔ تاہم مسلم فکر کے ایک سنجیدہ طالب علم کو اس باب میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مجددؒ کی اصلاحی مساعی کا دائرہ ہمہ گیر تھا۔ انھوں نے مذہب کے متوازی چلنے والے تصوف کے دائمی دھارے کو، خس و خاشاک اور اسلام کے مزاج کے خلاف آمیزشوں سے پاک کر کے، ایک چشمہ صافی بنانے کی کوشش کی، اور اس سلسلے میں نہ صرف اعمال و وظائف اور معمولات صوفیہ کو سنت نبویؐ سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، بلکہ اس کے لیے ایک فکری بنیاد بھی فراہم کی۔ ساتھ ہی اپنے عہد کے سیاسی ماحول کی اصلاح کی بھی نہایت تندہی سے کوشش فرمائی، کیونکہ وہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے کہ عوام اپنے بادشاہ کے دین و مسلک کے پیرو ہوتے ہیں۔

حضرت مجددؒ نے مغلوں کا عہد پایا۔ ہندستان میں مغل سلطنت کا بانی بابر تھا، جس نے ۱۵۲۶ میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس طرح ہندستان میں سلاطین دہلی کا دور ختم ہوا اور مسلمان بادشاہوں کا آخری خاندان برسر اقتدار آیا۔ بابر، جسے چغتائی ترک کہا جاتا ہے، امیر تیمور کی نسل سے تھا۔ یہ لوگ اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے منگول (مغل) تھے، تاہم ۳۰۲ برسوں میں تاتاریوں کی پہلی سی وحشت باقی نہ رہی تھی۔ بابر پڑھا لکھا شخص تھا، علم و ادب کا قدر دان تھا، خود بھی شعر کہتا اور نثر لکھتا تھا۔ یہی حال اس کے بیٹے ہمایوں کا تھا، جس نے اپنی فطری تن آسانی، کچھ نااہلی اور اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حریف شیر شاہ کی زیرکی اور عالی حوصلگی کی بنا پر ۱۵۴۰ میں اس کے ہاتھوں شکست کھائی اور ایران جا کر پناہ لی۔ یہاں تک کہ شیر شاہ کے نااہل جانشین ۱۵۵۵ میں اس سے مقابلے میں دہلی کی سلطنت گنوا بیٹھے اور برعظیم کے بڑے علاقے پر پھر سلطنت مغلیہ قائم ہو گئی۔ مغلوں کے ہندستان پر قابض ہونے کے صرف ۳۸ سال بعد حضرت مجددؒ کی ولادت ہوتی ہے۔

ہمایوں بھی خود صاحب علم اور علم و حکمت اور فنون کا قدردان تھا۔ اپنے قیام ایران کے دوران اس نے بہت سے ایرانی علما اور امرا سے تعلقات پیدا کر لیے' جو اس کے ساتھ ہندستان آئے۔ ان میں سے بیشتر شیعہ تھے۔ بعض لوگوں کا تو یہ بھی خیال ہے کہ ایران کے بادشاہ' شاہ طہماسپ صفوی نے تقریباً ڈیڑھ سال ہمایوں کی مہمان نوازی اور پھر مراجعت ہند کے موقع پر اس کی مدد اس لیے کی تھی کہ اس کے ذریعے ہندستان میں شیعہ اثرات پھیل سکیں گے۔ اور یہ کہ خود ہمایوں نے بھی شیعہ عقائد اختیار کر لیے تھے۔ اس سلسلے میں اس سے ایک رباعی بھی منسوب کی جاتی ہے' جس میں وہ خود کو "بندۂ اولاد علیؓ" اور حضرت علیؓ کی یاد پر مسرور بتاتا ہے۔ اس کا وزیر' اور اس کے جانشین اکبر کا اتالیق بیرم خان (جس نے اکبر کے ابتدائی عہد میں' جب وہ ایک نوعمر لڑکا تھا' اس کی طرف سے مغل سلطنت کا انتظام کیا)' خود شیعہ تھا۔ اس طرح مغل حکومت کو اپنے ابتدائی دور ہی سے امرا' وزرا' اہل علم و دانش' نیز انتظامی اہل کاروں میں ایک کثیر تعداد میں شیعوں کا تعاون حاصل رہا۔ اس سلسلے میں سادات بارہہ کا ذکر نامناسب نہ ہوگا' جو بہت بعد میں' یعنی اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت میں بھی (جن کے بارے میں عام خیال ہے کہ انھوں نے شیعہ اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی) عروج و اقتدار کے مناصب پر فائز رہے۔ بہرحال' ابتدا ہی سے مغل سلطنت میں ایک شان دار اور مادی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے لحاظ سے ایک پررونق سلطنت بننے کے جراثیم موجود تھے۔ اکبر' یعنی سلطنت مغلیہ کے بانی کا پوتا حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کا پہلا ہم عصر بادشاہ ہے۔

سلطنت مغلیہ کی علم دوستی اور علم پروری کے باوجود (بیشتر مغل بادشاہ' سلطنت کے بانی بابر کی طرح یا تو خود شعر کہتے تھے' یا شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے اور یہ روایت سلطنت کے آخری تاج دار بہادر شاہ ظفر تک قائم رہی)' اور اس امر کے باوجود کہ مغلوں نے ہندستان میں بہت سی ہندو ریاستوں کا خاتمہ کر کے انھیں نام نہاد "اسلامی ریاست" میں شامل کر لیا تھا' ہم دیکھتے ہیں کہ علما اور صوفیا کی بڑی تعداد یا تو سلطنت مغلیہ سے خوش نہ تھی' یا کم از کم ان کا رویہ سردمہری کا تھا۔ جب ۱۵۲۶ میں پانی پت میں بابر کے ساتھ ابراہیم لودھی کا مقابلہ ہوا تو بابر اور ہمایوں کے ہم عصر بزرگ' شیخ عبدالقدوس گنگوہی بذات خود ابراہیم لودھی کے لشکر میں مقیم تھے۔

ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد یہ گرفتار کیے گئے' اور ان کے ایک یا دو مریدوں کو بھی گرفتار کیا گیا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے گلے میں مرشد کی سیاہ پگڑی ڈال کر انھیں باندھ دیا گیا۔ شیخ کو حکم دیا گیا کہ لشکر کے ساتھ پاپیادہ چلیں، چنانچہ اسی حالت میں وہ پانی پت سے دہلی آئے۔ اگرچہ بعد میں انھیں رہا کر دیا گیا، تاہم اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ کے مریدوں اور معتقدین کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کیا ہو گی۔

مغل سلطنت اپنی تمام شان و شوکت، علم و فن کی سرپرستی اور جاہ و جلال کے باوجود، ابتدا ہی سے ایک خالص غیر مذہبی حکومت تھی۔ ایک آدھ استثنیٰ کے علاوہ اس کے تمام بادشاہوں میں سے نوشی، لذت کوشی اور نفس پروری، اسراف اور نمود و نمایش، قساوت و بے رحمی، سلطنت و اقتدار کے لیے باہمی چپقلش کی مثالیں ملتی ہیں۔ غرض یہ تھی وہ سلطنت جس کے عین عنفوان شباب میں حضرت مجددؒ کا ظہور ہوتا ہے۔

حضرت مجددؒ نے دو مغل بادشاہوں کا عہد دیکھا، اکبر اور جہاں گیر۔ ان دونوں بادشاہوں کے ادوار کو مزید دو زمانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اکبر کا وہ عہد "جب وہ" بقول مورخین علماے اسلام سے دل تنگ نہ تھا" اور شعائر اسلام کو مٹانے کے درپے نہ ہوا تھا۔ اس کا دوسرا دور وہ ہے "جب بعض علما۔۔۔ یہ رمز" اور شاید متقدر ہندو امرا اور ہندو رعایا کے عام تاثرات کے پیش نظر اس کے سر میں یہ خبط سمایا تھا کہ وہ اللہ کا کوئی اوتار یا خاص بندہ ہے، اور اب اس کے ذمے یہ کام ہے کہ وہ ایک نئے مذہب، نئی ثقافت اور نئی تہذیب کی بنیاد ڈالے، جو عوام کو روایتی مذہبوں، خصوصاً اسلام، کے تنگ کوچے سے نکال کر روشن خیالی اور وسیع المشربی کی شاہراہ پر ڈال دے۔

حضرت مجددؒ کے حوالے سے اکبر کے جانشین جہاں گیر کے دورِ حکومت کو بھی دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: یعنی سن جلوس (۱۶۰۶ء) سے ۱۶۱۹ء تک جب کہ اس نے حضرت مجددؒ کو دربار میں طلب کیا، اور ۱۶۱۹ء سے اس کی موت (۱۶۲۷ء) تک۔

اکبر کا عہد، حضرت مجددؒ کی جوانی کا عہد تھا۔ وہ اس کے سال جلوس کے آٹھویں سال پیدا ہوئے۔ ان کا لڑکپن، اکبر کی حکومت کا ابتدائی دور تھا، جب وہ مغل سلطنت کو دوبارہ منظم اور مستحکم کرنے میں مصروف تھا، اور اس سلسلے میں اس کی دلچسپیاں اور مصروفیات، عام بادشاہوں جیسی تھیں۔ اس نے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی، بلکہ شاید رسمی تعلیم کے نہ ہونے کے احساس کی بنا پر وہ علما کا ادب کرتا تھا۔ اپنی علمی استعداد کو بڑھانے کے لیے اس کے لیے یہ تو ممکن نہ تھا کہ رسمی طور پر تحصیل علم اور درس میں مشغول ہو جاتا، اس نے اپنے اردگرد علما اور اہل کمال کو جمع کیا، اور اس طرح اپنے علمی افق کو وسیع کرنے کی کوشش کی۔ ان کے خیالات غور سے سنتا اور مختلف موضوعات چھیڑ کر ان میں مباحثے کراتا۔ مذہبی علوم سے اکبر کے اس شغف کے نتیجے میں علما اس سے قربت کی خاطر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر تل گئے۔ اس نے "عبادت خانے" کی جو عمارت مذہبی اور متعلقہ سماجی و ثقافتی امور پر بحث و تمحیص کے لیے بنائی تھی، ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستقل مناظرے کا اڈا بن گئی۔ اکبر ان لوگوں سے کچھ ایسا بدظن ہوا کہ اسے اسلام کی صداقت اور حقیت پر یقین نہ رہا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کا رویہ اسلام اور اہل اسلام کے لیے معاندانہ ہوگیا۔ پہلے تو دربار میں پنج وقتہ نماز کا اہتمام کیا جاتا تھا" اور اب یہ صورت حال ہوگئی کہ کسی کو مجال نہ تھی کہ علانیہ دیوان خانے میں نماز ادا کرے"۔ اکبر کی گمراہیوں اور اسلام اور اسلامی شعائر سے اس کی کد کی بہت تفصیلات اب سامنے آچکی ہیں جنھیں یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان تفاصیل کو محض عبدالقادر بدایونی کے تعصب پر محمول کرنا کسی طرح بھی درست نہ ہوگا، اور یہ بھی کہ اکبر محض ایک "روشن خیال" یا "آزاد خیال" انسان تھا، جسے مذہب سے کوئی لگاؤ نہ تھا، صحیح نہیں ہے۔ اکبر نے آخر تک گہرے مذہبی شغف کا ثبوت دیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا یہ مذہب اسلام نہ تھا بلکہ ایک طرح سے اسلام کے خلاف عداوت اور بغض کا رنگ لیے ہوئے تھا۔

اس طرح کے سیاسی ماحول میں حضرت مجددؒ نے اپنے کام کا آغاز کیا۔ یہ ان کی نوجوانی کا زمانہ تھا، بیس بائیس سال کی عمر میں وہ درسیات سے فارغ ہوکر خود سرہند میں تدریس میں مصروف ہوگئے تھے اور اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد وہ اکبر آباد پہنچے اور وہاں کوئی آٹھ نو سال قیام کیا۔ اس قیام میں انھیں براہ راست حکومت کی پالیسی کا مشاہدہ کرنے اور امرا اور اہل دربار کے خیالات معلوم کرنے کا موقع ملا۔ زبدۃ المقامات سے جو حضرت مجددؒ کی پہلی سوانح حیات ہے، پتا چلتا ہے کہ اکبر کے معتمد امرا، ابوالفضل اور فیضی کے ہاں بھی حضرت مجددؒ کا آنا جانا تھا، ابوالفضل ان کی علمیت کا قدر دان تھا۔ لیکن مذہب کے معاملے میں آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ شیخ مجددؒ کی سوانح کے مصنف خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

> ابوالفضل کا ایک مصاحب مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دفعہ تمھارے مرشد (حضرت مجدد) ابوالفضل کی مجلس میں حاضر تھے۔ اس وقت ابوالفضل نے فلسفیوں اور ان کے علوم کی تعریف شروع کی اور اس میں اس طرح مبالغہ کیا کہ علماے اسلام کی توہین مفہوم ہوتی تھی۔ حضرت شیخ سلمہ اللہ تعالیٰ سے نہ رہا گیا، اور انھوں نے فرمایا کہ امام غزالی قدس سرہ نے رسالہ شریفہ منقذ (المنقذ) من الضلال میں لکھا ہے کہ جن علوم کی ایجاد کا فلسفی دعویٰ کرتے ہیں، ان میں سے جو کام کے ہیں، مثلاً ہیئت، نجوم، طب، وہ انھوں نے قدیم انبیا کی کتابوں اور ان کے کلام سے چرائے ہیں اور جو ان کی اپنی ایجاد ہیں، مثلاً ریاضی وغیرہ، وہ کسی دینی کام کے نہیں۔ ابوالفضل یہ سن کر جوش میں آگیا، اور کہنے لگا، غزالی نے نامعقول بات کہی ہے۔ حضرت شیخ نے اس بات سے بڑا برا مانا، فوراً ابوالفضل کی مجلس سے اٹھے، اور فرمایا کہ اگر اہل علم کی صحبت کا شوق ہے، تو اس طرح بے ادبی کے الفاظ زبان سے نہیں نکالنے چاہییں۔ یہ کہہ کر وہ مجلس سے باہر چلے گئے اور پھر کئی روز تک ابوالفضل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس نہ گئے، حتیٰ کہ اس نے آدمی بھیج کر معذرت چاہی اور انھیں بلا بھیجا"۔

اس کتاب سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ انھوں نے فیضی کی مشہور بے نقط تفسیر سواطع الالہام میں بعض مقامات پر اس کی مدد کی تھی۔ غالباً اسی قیام اکبر آباد میں ابوالفضل یا بعض دوسرے آزاد خیال اہل علم سے نبوت کے معاملے میں حضرت مجددؒ کا اختلاف رائے ہو گیا۔ یہ لوگ بظاہر عقل کو غائی حقیقت تک پہنچنے کے لیے کافی خیال کرتے تھے اور الٰہی ہدایت کی ضرورت کے منکر تھے۔ حضرت مجددؒ نے رسالہ اثبات النبوۃ تصنیف کیا، جو غالباً ان کی پہلی تصنیف ہے۔ اس کی تمہیدی عبارت میں لکھتے ہیں:

میں نے بعض لوگوں سے مناظرہ کیا، جنھوں نے علم فلسفہ پڑھا تھا، اور کافروں کی کتابوں سے بہرہ یاب ہو کر فضل و فضیلت کے مدعی ہو گئے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص کے لیے اس کے ثبوت میں خود بھی گمراہ ہوئے...

ایسا محسوس ہوتا ہے "ایک خاص شخص" سے حضرت مجددؒ کی مراد اکبر ہے۔ یہاں ان کا اشارہ اس طرف ہے کہ بادشاہ کے نقطہ نظر اور رجحان کی مناسبت سے بعض اہل علم، نبوت کی حقیقی حکمت کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قیام اکبر آباد اور آگرہ کے دوران حضرت مجددؒ نے زیادہ تر درس و تدریس اور نجی محفلوں میں گفتگو کے ذریعے ہی اپنے متوسلین، شاگردوں اور امرائے دربار کو اپنے نقطہ نظر سے متاثر کرنے کی کوشش کی۔ اس مرحلے پر وہ کسی نظریاتی تصادم کے لیے تیار نہ تھے۔ تاہم اس قیام کے تعلقات بعد میں عہد جہانگیر میں کام آئے۔

اکبر کی اس پالیسی سے نہ صرف علمائے حق اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نالاں تھی، بلکہ راسخ العقیدہ امرا اور حکام کے بارے میں بھی یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس کے ہم خیال اور ہم مشرب ہوں گے۔ اگرچہ یہ ناراضی، ایک مطلق العنان اور طاقت ور حکمراں کے وزن تلے بے بسی کے ساتھ دبی ہوئی تھی، لیکن کبھی کبھی اس کا ظہور ہو ہی جاتا تھا۔ چنانچہ جب خود اس کے مقرر کردہ "صدر جونپور" ملا محمد یزدی (شیعہ) نے اس کے دشمن اسلام ہونے کا فتویٰ دیا، تو کئی امرا اکبر کے خلاف ہو گئے۔ ان میں محمد معصوم کابلی، میر معز الملک (میر قاضی بنگال)، نیابت خاں، عرب بہادر اور کئی دوسروں نے مسلح بغاوتیں کیں۔ بنگال میں بابا خاں جباری، اور وزیر جمیل کی سرکشی، نیز مرزا محمد حکیم کابلی کی بغاوت کی وجہ بھی اکبر کی حکومت کے خلاف ایک عام فضا ہو سکتی ہے۔ ان مختلف شورشوں سے اکبری حکومت کے خلاف ایک عام بغاوت کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا، اور اسی لیے ۱۵۸۱ کو بعض مورخ اس کے دور کا نازک زمانہ جتلاتے ہیں، جب کہ اس کا سنگھاسن ڈول رہا تھا۔ اس کے لاڈلے اکلوتے اور سرکش بیٹے شہزادہ سلیم نے حالات سے فائدہ اٹھانے میں کسر نہ چھوڑی تھی، اور خود اپنے باپ کے خلاف صف آرا ہو گیا تھا۔ ابوالفضل نے اس طرح کی شورشوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بارے میں لکھا ہے کہ ہندستان کی خوش گوار فضا اختلاف کے غبار سے آلودہ ہو گئی ہے۔

اکبر اگرچہ ساری بغاوتوں کو فرو کرنے میں کامیاب ہو گیا، اور اس نے شہنشاہ کی حیثیت سے بستر شاہی پر جان دی، تاہم اس کے بااثر امرا دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض اس کے بیٹے سلیم کو سلطنت مغلیہ کا بادشاہ دیکھنا چاہتے تھے، اور بعض اس کے پوتے خسرو کو۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ بستر مرگ پر اکبر اپنے بیٹے سے بہت زیادہ خوش نہ تھا۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے اس نے باپ کے خلاف کھلی بغاوت کی تھی، اور اس کے ایک چہیتے درباری امیر، ابوالفضل کو قتل کرا دیا تھا، جس کا اکبر کو دلی صدمہ تھا۔

تخت نشینی کی اس کش مکش میں شیخ فریدؒ بخاری نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ اکبر کا رضاعی بھائی، خان اعظم مرزا عزیز کوکہ، جو اس کا عزیز دوست اور اہم درباری تھا، شہزادہ خسرو کے حق میں تھا (خسرو، شہزادہ سلیم کا بیٹا، عزیز کوکہ کا داماد بھی تھا)۔ ایک اور اہم درباری امیر راجا مان سنگھ بھی خسرو کا حامی تھا۔ ان دونوں نے اکبر کے آخری ایام میں شہزادہ سلیم کے بیٹے کو تخت دلانے کی بڑی کوشش کی لیکن آخر کار دوسرا گروہ کامیاب ہوا، جو شہزادہ سلیم کے حق میں تھا۔ اس گروہ میں پیش پیش شیخ فریدؒ تھے، جو حضرت خواجہ باقیؒ باللہ کے ارادت مند اور ان کی دلی کی خانقاہ باقویہ کے کفیل تھے اور انھی کے ذریعے حضرت مجددؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ مکتوبات مجددؒ الف ثانیؒ میں سب سے زیادہ خطوط انھی کے نام ہیں۔ شیخ فریدؒ نے شہزادہ سلیم کے حق میں دوسرے امرا کے علاوہ مقتدر سادات بارہہ کی حمایت حاصل کرائی۔ "امرا نے آخر کار فیصلہ کیا کہ حکومت اسی کو دینی چاہیے، جو اس کا قانونی حق دار ہے۔ چنانچہ ایک برگزیدہ امیر، جسے دوسروں نے اپنا نمایندہ منتخب کیا تھا، شہزادے (جہاں گیر) کے پاس آیا، اور امرا کی طرف سے اسے پیغام دیا کہ ہم سب آپ کی بادشاہت کی حمایت کریں گے، بشرطیکہ آپ اس بات کی قسم اٹھائیں کہ آپ شرع محمدیؐ کا تحفظ کریں گے، اور اپنے بیٹے (خسرو) یا اس کے طرف داروں کو کوئی سزا نہ دیں گے۔ شہزادے نے ان شرطوں کو پورا کرنے کی قسم اٹھائی اور بہت سے پیرے داروں کے ساتھ اپنے باپ کی ملاقات کو روانہ ہوا"۔

حضرت مجددؒ کو پتا چلا کہ نئے بادشاہ نے اسلام کی حفاظت و نصرت کا عہد کیا ہے، تو فطری طور پر انھیں مسرت ہوئی۔ اس کا اظہار انھوں نے شیخ فریدؒ ہی کے نام ایک مکتوب میں کیا ہے:

آج کہ دولت اسلام کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوش خبری خاص و عام کے کانوں میں پہنچی۔ اہل اسلام نے اپنے اوپر لازم جانا کہ بادشاہ کے مددگار و معاون ہوں اور شریعت کے رواج دینے اور مذہب کے تقویت دینے میں اس کی مدد کریں۔ یہ فقیر بے سروسامان بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولت اسلامیہ کے مددگار گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خط میں حضرت مجددؒ نے اس مقتدر امیر کو اصلاح حکومت اور حکمران کی طرف متوجہ کیا ہے کہ دونوں میں گہرا تعلق ہے۔ "بادشاہ کی نسبت جہان کے ساتھ ایسی ہے، جیسے قلب کی بدن کے ساتھ، اگر قلب اچھا ہے تو بدن بھی اچھا ہے، اگر قلب بگڑ جائے تو بدن بھی فساد کا شکار ہو جاتا ہے"۔ نیز یہ کہ گمراہ جاہل صوفیا اور علماے دنیا (علماے سو) کس طرح امت کے بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں: "آپ کی جناب شریف سے امید ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ کا قرب پورے طور پر بخشا ہے تو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے رواج دینے میں ظاہرو باطن کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو غریبی سے نکالیں گے"۔

نتیجتاً متوازن امرا نے جہاں گیر کے حق میں اپنا وزن ڈال کر اسے بادشاہ بنایا، اور حضرت مجددؒ نے اس پر اظہار مسرت فرمایا، تو اس کی حقیقی وجوہ بھی تھیں۔ بادشاہت کے اس نظام میں یہ تو ممکن نہ تھا کہ کسی صالح شخص کو جو نسلاً تخت کا "حق دار" نہ تھا، بادشاہ بنا دیا جائے۔ خسرو، اور سلیم، انتخاب انھی دو میں ہو سکتا تھا اور سلیم اپنے باپ اکبر کی پالیسی سے بظاہر ناراض اور غیر مطمئن نظر آتا تھا، اس لیے اس کے حق میں وزن ڈالا گیا۔ پھر، جیسا کہ اس کی بعد کی کارکردگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال بھی تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے متعدد احکام کے ذریعے مدرسوں، سرائے خانوں اور کنوؤں کی تعمیر کا حکم دیا، بعض محصول معاف کیے، داد رسی کے لیے اپنی مشہور "زنجیر عدل" لگوائی، اور اس طرح خود کو ایک عوام دوست، غریب پرور اور عدل گستر بادشاہ کے طور پر پیش کیا۔

حضرت مجددؒ کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کی حکومت ایک شرعی اور اسلامی حکومت بن جائے۔ اس مقصد سے انھوں نے کئی امرا کے نام مکتوبات لکھے۔ انھی میں سے ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں: "اب، جب کہ حکومت کی طرف سے اسلام کے لیے عناد کی پالیسی بظاہر تبدیل ہو گئی ہے، امرا، علما اور اسلام کے عظیم فرزندوں کا فرض ہے کہ قانون شریعت کے نفاذ کی جدوجہد کریں"۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اکبر کے جانشین جہاں گیر نے اسلام اور شعائر اسلام کے بارے میں وہ معاندانہ روش نہ اختیار کی، جسے اس کے باپ نے رواج دیا تھا، مگر مثبت طور پر اس نے اسلام کے حق میں اپنی مطلق العنان حیثیت کو کہیں استعمال نہیں کیا۔ یوں شریعت اسلامی کے رواج پانے کی آرزو جس کے لیے علماے حق کوشاں تھے، پوری نہ ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اور بادشاہوں کی طرح ایک بادشاہ تھا، جس کے پیش نظر اپنی موروثی سلطنت کے قیام و استحکام اور اپنی ذاتی بقا کے کچھ مصالح تھے۔ اپنی تخت نشینی کے موقع پر اس نے مناسب سمجھا کہ اس گروہ امرا کو استعمال کرے، جن میں کچھ دینی حمیت ہے، اور وہ اکبر کے مذہبی نظریات سے اتفاق نہیں کرتے، لیکن یہ اس کی ذاتی مصلحت اور حکمت عملی تھی۔ نفاذ اسلام کے لیے اس کے دل میں کوئی امنگ اور خواہش نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔ کیونکہ بعد میں اس کے اقوال، تحریریں اور اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ "سلطان اسلام" دراصل ایک مغل حکمران کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دربار کے بہت سے آداب، جو سراسر غیر اسلامی تھے، جوں کے توں قائم رہے۔ سجدۂ تعظیمی بدستور باقی رہا، دربار کے تزک و احتشام، محلوں کے مسرفانہ اخراجات جوں کے توں قائم رہے۔ اس کی اوباشی اور شراب نوشی میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ ذاتی زندگی سے ہٹ کر نظام حکومت میں بھی کوئی بنیادی تبدیلی کا دور دور پتا نہیں چلتا۔ غیر مسلموں پر جزیہ عائد نہ کیا گیا، زکوٰۃ کا نظام قائم نہ ہوا، عہد اکبری میں برباد کی ہوئی مساجد اسی طرح نوحہ کناں رہیں، گاؤکشی پر پابندی بدستور باقی رہی۔

جہاں گیر نے "آئین اکبری" کو بحال رکھا، گویا دستور حکومت وہی تھا، جو ابو الفضل جیسے ضال اور مضل نے مرتب کیا تھا، اور جس پر اس کے والد ماجد نے اپنے عمل کی مہر ثبت کی تھی۔

جہاں گیر کے بادشاہ ہونے سے کوئی حقیقی سیاسی تبدیلی نہیں آئی۔ اور یہ امرواقعہ ہے کہ "سلطان اسلام" نورالدین جہاں گیر کا دور سیاسی لحاظ سے کسی بھی طرح اکبر سے مختلف نہیں۔ جلد ہی یہ بات ایک واضح حقیقت کے طور پر حضرت مجددؒ پر عیاں ہو گئی۔

حضرت مجددؒ حکومت کی پالیسی سے نہایت دل شکستہ ہو چکے تھے، اور ان کا ذہن اس سلسلے میں نہایت صاف تھا کہ ظواہر کی بعض تبدیلیوں کے باوجود، حکومت کی روح وہی ہے، اور اس کے مظاہر بھی عام مشاہدے کی بات ہیں۔ قابل غور یہ امر ہے کہ اب جس مکتوب کا میں حوالہ دینے جا رہا ہوں، وہ دفتر دوم کے آخری حصے کا مکتوب ہے۔ یہ جہاں گیر کی تخت نشینی کے ۱۰، ۱۲ سال بعد کا زمانہ ہو گا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مجددؒ کے پاس اب اتنے شواہد آ چکے تھے کہ جہاں گیر کی ملک گیری کے بارے میں اب کسی خوش فہمی کی گنجایش نہیں تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> رونق شریعت کی ترقی و رواج، شاہان بزرگ کے حسن انتظام پر موقوف ہے۔ جب سے یہ امر ضعیف ہو گیا ہے، کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں، چنانچہ تھانیسر میں ایک مسجد اور بزرگ کا مقبرہ تھا، اس کو گرا کر اس کی جگہ ایک بڑا بھاری مندر بنا دیا گیا ہے۔ کفار تو علانیہ اپنی رسمیں بجا لا رہے ہیں، اور مسلمان اکثر احکام اسلامی کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس دن روٹی نہ پکائے اور نہ بیچے۔ اور ماہ رمضان میں علانیہ نان و طعام پکاتے اور بیچتے ہیں، مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی نہیں روک سکتا۔ ہائے افسوس! بادشاہ وقت ہم میں سے ہو، اور پھر ہم فقیروں کا حال اس طرح خستہ و خراب ہو......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض مصنفین نے اس مکتوب کو دور اکبری میں اسلام کی ابتری کی طرف اشارہ قرار دیا ہے، جو درست نہیں، یہ دور جہاں گیری کے وسط کا خط ہے۔

ان سیاسی حالات میں غالباً حضرت مجددؒ حکومت کی خیر کی طرف تبدیلی اور پیش رفت سے مایوس ہو چکے تھے، تاہم وہ اپنے حلقے میں بااثر لوگوں کو بار بار ترویج شریعت کی طرف متوجہ کرتے رہے، اور اصلاح و تبلیغ کے معروف طریقے پر بھی گامزن رہے۔ اپنے مریدوں اور خلفا کو انھوں نے اکناف سلطنت میں پھیلا دیا (جسے جہاں گیر اپنی تزوک میں "مکاری اور فریب کا جال" قرار دیتا ہے)۔ افغانستان، توران، بدخشاں سے لے کر (جہاں اب بھی مجددی سلسلے کا کافی اثر موجود ہے) وسط ہند اور دکن تک حضرت مجددؒ کے خلفا نے عوام کے علاوہ عساکر میں بھی ایک بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ کہتے ہیں عبداللہ خان ازبک تورانی (شمال کے علاقے کا حکمران) بھی غائبانہ حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا تھا۔ انھی تبلیغی مساعی اور ان خطوط کی بنا پر جو وہ امرا اور علما کو اکثر لکھا کرتے، اور ان میں تبدیلی اور اصلاح حال کی طرف متوجہ کراتے تھے، غالباً جہاں گیر ان سے کھٹک گیا۔ دکن میں میر نعمان کے ذریعے سلسلہ نقش بندی کی مقبولیت کی بنا پر شاید اس نے فوج میں حضرت مجددؒ کے اثر و نفوذ میں خطرے کی بو سونگھ لی تھی، یا دوسروں نے اسے یہ باور کرایا تھا، بہرحال وہ ان مساعی کو خطرے کا نشان سمجھتا تھا۔ اس نے ان کے مشہور مرید میر نعمان کو دارالحکومت طلب کیا، اور دربار اور لشکر سے علیحدہ نہ ہونے دیا"۔ بعینہٖ یہی سلوک وہ حضرت مجددؒ سے بعد میں کرنے والا تھا۔

میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں کہ ہمایوں کے عہد سے ہندستان میں حکومت کے اندر اور باہر بھی شیعی اثرات میں معتدبہ اضافہ ہونے لگا تھا۔ اکبر کے عہد میں بھی اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ جہاں گیر کی محبوب بیوی (پہلی بادشاہ بیگم) جس کا نام سکہ پر ڈھالا گیا، شیعہ تھی۔ اس کا بھائی آصف جاہ نہایت بااثر وزیر تھا، اور یقیناً ایرانی شیعی اثرات میں اضافہ ہوا تھا۔ حضرت مجددؒ نے متعدد مکتوبات میں رافضی اثرات میں اضافے پر تشویش کا اظہار کیا ہے (وہ ایک مستقل رسالہ رسالہ در رد روافض / کوائف شیعہ) بھی لکھ چکے تھے۔ کچھ عجب نہیں کہ جہاں گیر کو حضرت مجددؒ کے خلاف اکسانے میں یہ عوامل بھی شامل ہوں۔

یہ وہ ماحول تھا جس میں جہاں گیر نے اپنے ۱۴ویں سال جلوس میں حضرت مجددؒ کو دربار میں طلب کیا اور مختصر سی پوچھ گچھ کے بعد انھیں گوالیار کے قلعے میں اسیر کر دیا، جہاں عموماً سیاسی قیدی نظربند کیے جاتے تھے۔ (۱۰۲۷ھ/۱۶۱۹ء)

اس سے خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اکبر کے زمانے کی بہ نسبت اسلام کے حق میں دربار کی فضا کس قدر "ہموار" ہوئی تھی، اور اسلام و شریعت اور مسلم عوام کا درد رکھنے والوں کے لیے حکومت کی پالیسی کیا تھی۔ ان بااثر درباریوں کے ہوتے ہوئے بھی، جن کے ساتھ حضرت مجددؒ کی مراسلت تھی، اور جن کا ذکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے آچکا ہے، بادشاہ اس مرد درویش کے ساتھ انتہائی گستاخی اور بدتمیزی کا سلوک کرتا ہے، لیکن مغلوں کی سخت گیر اور منتقمانہ شخصی حکومت کے آگے، جس میں شورش پسند شہزادے تو ایک طرف رہے، باپ بیٹوں اور بھائیوں تک میں عموماً شک و شبہ کی فضا قائم رہتی تھی، کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوئی۔

یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بعض باثر امرا نے مناسب وقت اور موقع تلاش کر کے رہائی کی سفارش کی ہو، اور جب بادشاہ نے بھی یہ محسوس کر لیا کہ فی الواقع حضرت مجددؒ کے پاس کوئی سیاسی قوت نہیں ہے، یا اگر ہے، تو وہ اسے استعمال نہیں کرنا چاہتے، اور اس طرح وہ اس کی حکومت کے لیے کوئی خطرہ نہیں، تو اس نے کوئی ایک سال بعد انھیں رہا کر دیا۔ اس رہائی کا اندراج بھی توزک میں درج کرتا ہے، لیکن اس کی تحریر کی بیہودگی اور ہتک آمیز زبان سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ ان کا معتقد یا مرید ہو گیا تھا، جیسا کہ ابتدائی تذکرہ نویسوں اور بعد میں انھیں بلاتنقیح نقل کرنے والوں نے لکھ دیا ہے۔

پروفیسر محمد فرمان لکھتے ہیں: "جہاں گیر نے انھیں رہا کرنے کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ "در رفتن و بودن مختار گردانندم"۔ یعنی میں نے اختیار دیا کہ چاہیں ساتھ رہیں یا چلے جائیں۔ لیکن یہ بات بھی جہاں گیر کی اور کئی باتوں کی (طرح) جھوٹ سے لبریز اور مغلیہ حکمت عملی کا ایک شاہ کار ہے۔ (صرف نظربندی ہی نہیں رکھا بلکہ ان کے مال و اسباب، کتابوں اور جایداد کو بھی شدید نقصان پہنچایا ہے۔ جیسا کہ گرفتاری کے وقت اپنے صاحب زادے محمد معصوم کو لکھے گئے خط سے ظاہر ہوتا ہے، مکتوبات، سوم، مکتوب ۲)۔ اس میں یہ تلقین کی ہے کہ راضی بہ رضا رہیں اور اپنی والدہ سے بھی یہی کہیں۔ یہی نظربندی حضرت مجددؒ کی عظمت کی دلیل اور ان کی شخصیت کے کمال کی دلیل ہے، جسے ارادت مندوں نے اپنی غلطی سے حضرت کے علوشان کے منافی سمجھ کر سو حیلوں بہانوں سے چھپانا چاہا ہے، اور جہاں گیر کو حضرت کا مرید ظاہر کر کے ان کی عظمت کا اظہار کیا ہے۔" لیکن اس بات کو نظرانداز کر گئے ہیں کہ جہاں گیر کے مزاج میں کوئی ایسی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ وہ آخری دم تک شراب کا رسیا اور عیش و عشرت کا دل دادہ رہا ہے، اور ہمیں اس کی زندگی میں نقش بندی مرید کے کوئی واضح آثار نہیں ملتے، اور ان آثار کی عدم موجودگی میں اسے حضرت کا مرید خاص قرار دینا، ایک طرح سے حضرت کے فیض اور تصرف باطنی کا انکار کرنا ہے، جو تاریخی شواہد کی روشنی میں محل نظر ہے"۔ تاہم پروفیسر فرمان، اس معاملے میں شیخ محمد اکرام کے ہم نوا ہیں کہ "ان تین چار سالوں میں (جب حضرت مجددؒ اس کے لشکر کے ہمراہ تھے) جہاں گیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا، اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ عجب نہیں کہ اس میں حضرت کی تعلیمات کا بھی دخل ہو""۔

"ترویج شریعت" اور "مذہب کے جوش" کے سلسلے میں شیخ اکرام نے توزک سے دو مثالیں درج کی ہیں۔ ایک علاقہ راجوری (کشمیر) کے مسلمانوں کی بعض رسوم کے بارے میں جہاں گیر کے اظہار خیال کی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دوسری کانگڑہ کے قلعے میں شعار اسلام بجالانے کی۔ راجوری کے مسلمانوں کے بارے میں کہتا ہے:

"باوجود مسلمان ہونے کے ہندوؤں جیسی رسوم بجالاتے ہیں۔ عورتوں کو خاوند کے مرنے پر قبر میں زندہ دفن کر دیا جاتا ہے۔ ایک بارہ سالہ لڑکی کو اس کے بارہ سالہ خاوند کے مرنے پر اس کے ساتھ زندہ دفن کر دیا گیا۔ لڑکی پیدا ہونے پر اس کا گلا گھونٹ کر مار دیتے ہیں.... ہندوؤں سے بھی رشتے داریاں کرتے ہیں۔ لڑکیاں لینا تو ٹھیک ہے لیکن لڑکیاں دینا لعنتی کام ہے۔ میں نے حکم دیا کہ آیندہ اس رواج پر عمل نہ کیا جائے"[۱۱]۔

شیخ محمد اکرام اور پروفیسر فرمان کے اس نظریے کی تائید میں کہ جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال پیدا ہو گیا تھا، ۱۳ ویں سال جلوس کے بعد کی پوری توزک دیکھ جایئے، کہیں اقامت صلوۃ، ایتائے زکوۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نظام کے لیے ادارے قائم کرنے یا ان کے لیے دل سوزی کا ایک حرف نہیں ملتا۔ سونے چاندی میں تولنے، جشن منانے، سیروشکار، تفریح، خیرات و صدقات (جو جاہل اور بدعقیدہ بھی اپنی جان، مال اور اقبال کی حفاظت کے خیال سے دیتے ہیں، کیا مسلم اور کیا غیر مسلم)، حتیٰ کہ اپنے متعدد اوقات میں فصد کھولنے اور پرندوں اور جانوروں کی دوستی اور جنسی محبت تک کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتا ہے، لیکن نہ اس نے خود، اور نہ میرزا محمد ہادی نے جس نے بادشاہ کی عدیم الفرصتی / کمزوری کے باعث، اس کے ۱۹ ویں جشن نوروز کے بعد روزنامچے میں اندراجات کیے ہیں، حکومت کے دستور کو (جو بدستور آئین اکبری پر استوار تھا) بدلنے اور اسے اسلامیانے کے کسی اقدام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے روزنامچے میں جو "معاذ اللہ"، "نعوذ باللہ"، "اللہ تعالیٰ"، "واللہ اعلم بالصواب" جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، وہ بلااستثنائے مذہب اس عہد کے تمام فارسی بولنے والوں میں مروج تھے اور ایک "تہذیبی تقاضا" تھے۔ حتیٰ کہ جدروپ سنیاسی بھی، جس سے ملاقات کا اسے بار بار اشتیاق ہوتا ہے، اور "اس کے کنج عزلت میں بیٹھ کر" وہ "حقائق و معارف پر مبنی بہت ہی اعلیٰ گفتگو" سنتا ہے، بادشاہ کے رخصت ہوتے وقت کہتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اس نے آپ جیسے انصاف پرور بادشاہ...... کی بدولت مجھے اطمینان خاطر کے ساتھ عبادت میں مشغول رہنے کی آسانی عطا کی....."[۱۲]

اسی طرح دوسرے "اسلامی شعائر" کے ساتھ بھی اس کی روش بڑی روایتی قسم کی ہے۔ دسویں سال جلوس کے واقعات میں وہ تفصیل سے ۱۵ سال کی عمر میں شراب نوشی کی ابتدا اور پھر اس میں بے تحاشا اضافے کا ذکر کرتا ہے کہ: "دن رات میں چودہ پیالے (۶ سیر) پی جاتا تھا، بعد میں اس میں افیم کا اضافہ بھی ہوا (کہ سرور میں مزید اضافہ ہو)۔ پھر حکیم کے زور دینے پر تدریج کی، اور اب "البتہ جمعرات کے دن دو وجوہات سے رات کی بجائے دن ہی کے آخری حصے میں پی لیتا ہوں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ جمعرات کی رات ہفتے میں سب سے مبارک رات ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگلا دن مبارک جمعہ ہوتا ہے..... کچھ اچھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں لگتا کہ اس رات کو یاد الٰہی میں مشغول ہونے کی بجائے عیش و عشرت میں پڑ کر غفلت میں بسر کروں۔ میں جمعرات اور اتوار کے دن گوشت بھی نہیں کھاتا۔ جمعرات کے دن تو اس لیے کہ اس دن میری تخت نشینی ہوئی تھی' اور اتوار کے دن اس لیے کہ میرے والد بزرگوار کا یوم ولادت ہے' اور وہ اس دن کا بہت احترام کرتے تھے.... "[۱۷]

وہ خود شراب پینے پر اکتفا نہیں کرتا' بلکہ "شہنشاہ اسلام" "امر بالمعروف کا فریضہ" اس طرح انجام دیتا ہے کہ اپنے چہیتے شہزادے کو زبردستی شراب پلواتا ہے' اور وہ بھی جمعہ کے دن تاکہ "ترویج شریعت" اس مبارک دن سے شروع ہو۔ لکھتا ہے: "جمعہ ۲۵ ماہ دی کو خرم بیٹے کو تلوانے کی محفل منعقد ہوئی۔ اس دن تک' جب کہ وہ اپنی عمر کے ۲۴ ویں سال میں داخل ہو گیا تھا' کئی بیویوں کا شوہر اور متعدد بچوں کا باپ ہو چکنے کے باوجود اس نے شراب چکھی تک نہ تھی۔ میں نے اس مجلس میں اس سے کہا کہ بیٹے' تو اب خیر سے صاحب اولاد ہو گیا ہے' اس لیے یہ دیکھتے ہوئے کہ ہمیشہ شاہوں اور شہزادوں نے شراب پی ہے' آج کہ تجھے تولنے کے جشن کا دن ہے' میں تجھے شراب پلاتا ہوں' اور تجھے اجازت دیتا ہوں کہ جشن کے ایام' نو روز کے دنوں اور بڑی بڑی مجلسوں میں پی لیا کرنا.... غرض کہ بہت اصرار کر کے اسے شراب پلائی گئی"[۱۸]۔

توزک کے تتمہ نویس کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ جہاں گیر نے آخری شے جو موت سے پہلے حلق سے اتاری' وہ شراب ہی تھی"۔ اس سے پہلے اس کے ایک چہیتے شہزادے پرویز کی موت بھی کثرت شراب نوشی سے ہو چکی تھی۔ یہ شہزادہ' خرم (شاہ جہاں) کے مقابلے میں جہاں گیر کا زیادہ معتمد علیہ تھا"۔ ۳۸ سال کی عمر میں مرگی اور ترک غذا کے باعث اس کی موت ہوئی۔ "یہ مرض کثرت شراب خوری سے لاحق ہوا"[۲۰]۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مذہبی اور سیاسی طور پر اکبر اور جہاں گیر کی پالیسی میں سوائے اس کے کوئی اور فرق نظر نہیں آتا کہ اکبر میں منافقت کم تھی' اور اسے تصوف و مذہب سے ایک خاص طرح کا شغف تھا (اسلام سے نہیں) اسلام کی جگہ لینے کے لیے اس نے ایک نئے مذہب کو ایجاد کرنے کے ناکام تجربات کیے' اور آبادی کے ایک خاصے بڑے طبقے کو ناراض کر لیا۔ جہاں گیر نے ان باتوں کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ اسے اسلام کے روایتی ثقافتی ورثے سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی' کہ وہ کہیں رمضان' شب برات' محرم اور عیدالاضحیٰ کی قربانی کا ذکر نہیں کرتا۔ وہ اگرچہ حضرت مجددؒ کو آخرکار رہا کر دیتا ہے' لیکن اپنی حکومت کے لیے کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ماضی میں بعض درویش اور ان کے متوسلین حکومت کے لیے پریشانیوں کا باعث بنتے رہے ہیں' اس لیے "اختیار" کے باوجود وہ نہایت عیاری سے انھیں لشکر میں ساتھ لیے پھرتا ہے۔

قید سے رہا ہونے کے کچھ عرصے بعد حضرت مجددؒ نے ایک خط جہاں گیر کو لکھا تھا' جس میں جنگی لشکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مقابلے میں "لشکر دعا" کی فتوحات کو حقیقی فتوحات بتایا تھا۔ وہ متعدد مکتوبات میں اس لذت الم کا ذکر کرتے ہیں، جو اب لشکر ہی قید کی صورت میں درپیش ہے۔ کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے! اپنے بچوں کے نام ایک مکتوب میں وہ بادشاہ کے ساتھ ایک مجلس کا تذکرہ کرتے ہیں، جہاں انھوں نے بادشاہ کے سامنے اسلام کے بنیادی عقائد، بعثت انبیا، عقل کے عدم استقلال، آخرت، ختم نبوت وغیرہ بیان کیے۔ بادشاہ ساری باتیں غور سے سنتا رہا، اور بظاہر چہرے پر ناگواری یا عدم قبولیت کے آثار نہ ظاہر ہوئے۔ تاہم بادشاہ کا اختلاف نہ کرنا، محض اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ درباریوں کے سامنے کسی بحث میں الجھنا اور اکبر کے دربار جیسا سماں پیدا نہ کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس نے اپنی توزک میں، جہاں متعدد ہندو فقیروں اور یوگیوں سے ملاقات کے اشتیاق، ملاقات کے احوال، اور گفتگو کی تفصیلات دی ہیں، اس مجلس، یا ایسی کسی مجلس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

حضرت مجددؒ نے جن عقائد اور ایمانیات کا تذکرہ کیا ہے، وہ مسلمانوں کی اکثریت میں تقریباً متفق علیہ ہیں، ان پر خاموش رہنے کا مطلب یہ نہ تھا کہ جہاں گیر نفاذ اسلام کے لیے حضرت مجددؒ کے نظریات سے ہم آہنگ ہو گیا تھا، یا دوسرے مختلف فیہ مسائل میں ان سے متفق تھا۔ حضرت مجددؒ نے بادشاہ کے ساتھ مجلس کے ذکر میں یہ نہیں لکھا کہ انھوں نے بادشاہ کو جزیہ عائد کرنے، اسلامی قوانین کو نافذ کرنے اور ریاست کی ہیئت کو تبدیل کرنے کے بارے میں بھی کچھ کہا۔ ان میں سے بعض امور کی طرف وہ امرا کو بار بار متوجہ کرتے رہے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت مجددؒ اور جہاں گیر سے متعلق تاریخ کے بنیادی مصادر میں ایسا مواد نہ ہونے کے برابر ہے، جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ حضرت مجددؒ کے زیراثر جہاں گیر نے مغل سلطنت کی ہیئت ترکیبی میں کوئی بنیادی تبدیلی کی ہو، ہندوؤں کے اثر و اقتدار کو توڑنے کی کوئی شعوری کوشش کی ہو، یا اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے عملی اقدامات کیے ہوں۔ چنانچہ جب ۱۶۲۴ء میں حضرت مجددؒ نے وفات پائی تو مغل سلطنت اسی طرح ایک غیر اسلامی اور غیر مذہبی مغل سلطنت تھی، جس کا سربراہ ایک پیدائشی مسلمان تھا، جسے نفاذ اسلام کے بجائے استحکام سلطنت سے دلچسپی تھی، چاہے اس کے دست و بازو ہندو ہوں یا مسلمان، اور یہ کام ہندوؤں کے خون کی قیمت چکا کر کیا جائے یا مسلمانوں کے۔ ان حالات میں حضرت مجددؒ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عوام و خواص کو اسلام کے چشمہ صافی کی طرف بلایا، اور اس کے اثرات یقیناً محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

حضرت مجددؒ کی وفات کے تین سال بعد جہاں گیر کا انتقال ہوا (۱۶۲۷ء) تو امرا کی مشاورت کے ساتھ شہزادہ خرم (شاہ جہاں) تخت نشین ہوا۔ بعض سوانح نگاروں کے مطابق وہ حضرت مجددؒ کا پہلے ہی سے معتقد تھا[۲۲] اور غالباً آپ سے بیعت ہو چکا تھا۔ بادشاہ بننے کے بعد اس نے آپ کے صاحب زادے خواجہ محمد معصوم سے تجدید بیعت کی۔ اس نے بعض بدعتیں، سرکاری احکام کے ذریعے ختم کرائیں،[۲۳] سکے پر کلمہ طیبہ کی مہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاری کی، تین لاکھ مساجد اور ایک لاکھ مدرسے تعمیر (یا مرمت) کرائے۔ علما و فقرا کے وظائف مقرر کیے اور دین اسلام کی ترویج کی بہت کوشش کی"۲۳"۔ سکے پر کلمہ طیبہ کا اندراج گویا حکومت کے کلمہ پڑھ لینے کے مترادف تھا۔ کہتے ہیں کہ مغرب کی اذان سن کر عجلت میں سیڑھیوں سے اتر رہا تھا کہ پیر رپٹا اور یوں اس کا انتقال ہوا، جب کہ والد محترم کثرت شراب نوشی کا شکار ہوئے تھے۔

شاہ جہاں کے بعد اس کے بیٹے محی الدین اورنگ زیب عالم گیر (حکومت ۱۶۵۸-۱۷۰۷) نے سلطنت سنبھالی۔ روایت کے مطابق وہ بھی خواجہ محمد معصوم کے معتقد اور ان سے بیعت تھے"۲۴"۔ ان کے دور حکومت کو سارے مغل عہد میں سب سے زیادہ "اسلامی" کہا جا سکتا ہے۔ انھوں نے بادشاہی میں درویشی اختیار کی، ذاتی زندگی میں سادگی کو شعار بنایا، احکام شرع کو قانوناً رواج دیا، اور اس کے لیے فتاوی عالمگیری مرتب کرائی۔ تاہم ان کے جانشین نالائق نکلے، اور سلطنت مغلیہ اس سنہرے دور کے بعد زوال پذیر ہوتی گئی۔

تاریخ کے اس عہد میں، جسے ایک لحاظ سے "بادشاہوں کا زمانہ" کہا جا سکتا ہے، حضرت مجددؒ کسی جمہوری سیاسی تحریک کے ذریعے اصلاح نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے عہد کے موجود اداروں کے ذریعے بیعت و ارشاد، تعلیم و تربیت اور اصلاح و تجدید کی کوشش کی۔ اور اس دعوے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ برصغیر کو ایک غیر مسلم ملک بننے سے بچالیا۔ اقبال نے درست ہی کہا ہے:

گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار۲۵

حواشی

۱۔ حضرت مجددؒ ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء میں پیدا ہوئے، اور ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء میں وفات پائی۔ اس طرح قمری تقویم کے مطابق آپ نے ۶۳ سال کی عمر پائی اور شمسی تقویم کے مطابق ۶۰ سال کی۔

۲۔ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، ص ۳۱۵

۳۔ ایضاً، ص ۲۱۵

۴۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات (ترجمہ: مطبوعہ نول کشور) ص ۱۳۱

۵۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۶۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ابوالفضل کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔

۷۔ Cambridge History of India، ج ۴، ص ۱۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ مکتوبات دفتر اول، رقم ۴۷ (۱: ۴۷)

۹۔ ایضاً، ۱: ۴۷

۱۰۔ ایضاً، ۲: ۹۲

۱۱۔ شیخ محمد اکرام نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حضرت مجددؒ کے ایک پرجوش مرید اور مبلغ، شیخ بدیع الدین، حضرت کی دربار میں طلبی اور پھر قید کا باعث ہوئے۔

۱۲۔ یہ بات قابل غور ہے کہ قلعہ گوالیار سے رہائی کے بعد بھی جہاں گیر حضرت مجددؒ کو اپنے دربار اور "لشکر" میں اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا، کہ کہیں پھر "شورش عوام" کا باعث نہ بنیں۔ اور وفات سے صرف چند ماہ قبل ہی انھیں بقول ان کے "گرفتاری لشکر" سے رہائی نصیب ہوتی ہے۔

۱۳۔ پروفیسر محمد فرمان: حیات مجدد، مجلس ترقی ادب، ۱۹۵۸، ص ۳۵-۳۶

۱۴۔ پروفیسر محمد فرمان، ۳۶، شیخ محمد اکرام ۲۷۳

۱۵۔ توزک جہاں گیری، ص ۱۵۱

۱۶۔ توزک، ص ۵۲۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۷-۳۲۹

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۱-۳۲۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۸۵۳

۲۰۔ شاہ جہاں سے ناراض ہو کر وہ اسے "بے دولت" کا خطاب دیتا ہے، ایضاً ۷۲۳

۲۱۔ ایضاً، ص ۸۳۸، نیز ۸۳۳

۲۲۔ سید زوار حسین شاہ: حضرت مجدد الف ثانی، ص ۲۱۳

۲۳۔ ایضاً، ص ۷۰۶

۲۴۔ ایضاً، ص ۷۰۷

۲۵۔ بال جبریل، پنجاب کے پیرزادوں سے، ص ۱۵۹

© rasailojaraid.com